KitaabPoint.blogspot.com

پیپل کے پیڑ میں اور کچھ نہیں ہے۔ اردگرد وہ سناٹا جیسے جنگل بیابان ہو۔ ساری فضا کتنی بھید بھری تھی کہ پتہ بھی ہلتا تو حیرت اور خوف کا عالم چھا جاتا۔

''منن' او منن۔ بندر۔''

''بندر؟..... کہاں ہے؟''

''دھرم شالا والے پیپلوں میں۔''

میں اصل میں ان دنوں منن تھا۔ جو اد تو میں رفتہ رفتہ بنا۔ اور اس فضا کے ساتھ ایک چھوٹا سا لڑکا درختوں کے بیچ واہی تواہی پھرتا بس جیسے نظروں کے سامنے آن کھڑا ہوا ہو۔ جیسے وہ میرے وجود سے الگ ایک وجود تھا جو گزرے وقت کے ساتھ کہیں گم ہو گیا تھا۔ میں نے اسے ایسے دیکھا جیسے یہ میں نہیں ہوں۔ کوئی اور ہے۔ صیغہ غائب' جب دیکھو میمونہ کے ساتھ چپکا ہوا۔ دونوں ہی واہی تواہی پھرتے تھے۔

''اچھا دھرم شالا والے پیپلوں میں؟''

''ہاں وہیں دکھائی دیا تھا۔''

منن نے کھڑے کھڑے ان دور کھڑے گھنے اونچے درختوں کی ٹہنیوں کا جائزہ لیا ''وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

''وہیں تھا۔''

''پھر کہاں اڑ نچھو ہو گیا۔''

پھر وہ دونوں بندر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے نرکلوں کی باڑہ تک گئے۔ یہ ان دونوں کے لئے آخری حد تھی جہاں سے آگے غیر علاقہ شروع ہو جاتا تھا' ایسا علاقہ جہاں قدم رکھنا ان کے لئے ایک جوکھم تھا۔ اور آگے تھا کیا۔ یہاں سے وہاں تک جہاں تہاں تھوہڑ کھڑی نظر آتی تھی۔ بھوڑ سے پرے دھرم شالا اور دھرم شالا سے پرے کیا تھا۔

کبھی وہاں تک گیا ہوتا تو پتہ چلتا۔ بس دور سے کچھ نرکل' کچھ گھنے اونچے پیڑ دکھائی دیتے تھے اور بس۔ باڑہ تک جا کر دونوں ٹھٹھک گئے۔

''کہاں تھا بندر؟''

''اس پیپل پہ۔'' دھرم شالا کے سب سے اونچے والے پیپل کی طرف میمونہ نے انگلی سے اشارہ کیا۔

KitaabPoint.blogspot.com

منن نے غور سے دور کھڑے پیپل کی ایک ایک ٹہنی کا جائزہ لیا ''وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

سونگھتا سونگھتا جانے کدھر سے بھولو بھی آن پہنچا۔ ''منن میاں کیا دیکھت ہو۔''

''بندر۔''

''باندر؟'' بھولو نے تعجب سے کہا۔

''ہاں اس اونچے والے پیپل پہ بندر تھا۔ میمونہ نے دیکھا تھا۔ جانے کدھر گیا۔''

''باندر نئیں ہوسکتا جی۔''

''کیوں نہیں ہوسکتا۔''

''باندر؟'' تو سب کے سب نگر سے بھاگے ہوئے ہیں۔ لنگور مہاراج کہیں سے آن ٹپکے ہیں۔ بس باندر غائب۔''

''پر میں نے تو دیکھا تھا۔ دم ایسی لمبی جیسے رسی ہو۔ بالکل بھورا اور منہ کالا۔''

بھولو ہنسا ''فیر وے تو لنگور تھا۔''

''لنگور تھا؟'' اس نے جھرجھری لی ''چلو چل کے دیکھیں۔''

''منن میاں ادھر سنبل کے جائیو جی۔''

میمونہ نے تجسس سے پوچھا ''دھرم شالا میں کون رہتا ہے۔''

شش و پنج میں پڑ گیا ''ہاں واں پہ کون رہتا ہے۔''

''مجھے پتہ ہے۔'' بھولو نے اعتماد سے کہا۔

''تجھے کیسے پتہ ہے۔''

''میں جی ایکوں باری جی کڑا کر کے دھرم شالا میں گھس گیا۔ کیا دیکھوں ہوں کہ پیپل تلے ایک سنڈ مسنڈ سادھو بیٹھا ہے انگ پہ بھبوت ملے۔ آنکھیں بند ہیں اور مسکان کر ریا اے۔ سامنے دیوا بل ریا اے۔ باتی کی لو میں ایک سندر بیر بیٹھی مسکان کر رئی ہے۔ کانوں میں بالے ناک میں بلاق میں جی واں سے تراٹ ہولیا۔''

منن اور میمونہ دونوں حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر منن نے ایک دم سے جھرجھری لی ''جھوٹ۔''

میمونہ نے تائید کی ''جھوٹا۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''مت مانو جی۔''

''چلو چل کے دیکھتے ہیں۔'' مٹن نے یکا یک اعلان کیا۔

''نہیں۔'' میمونہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''میمونہ بی بی۔'' بھولو نے ڈھارس دلائی۔ ''ڈرو مت جی۔ میں آگے آگے چلتا ہوں۔''

اور واقعی بھولو نے اعتماد سے قدم بڑھایا اور آگے آگے چلنے لگا۔ وہ دونوں پیچھے پیچھے۔ لگتا تھا کہ دھرم شالا یہ رہی مگر وہ تو دور کھسکتی جا رہی تھی۔ بھوڑ میں چلتے ہوئے لگ رہا تھا کہ بیابان ریگستان میں چلے جا رہے ہیں۔

چلتے چلتے ٹھٹھکا۔ خوف بھری آواز میں سرگوشی میں بولا ''سانپ۔''

وہ دونوں بھی ٹھٹھک گئے۔ یہ لمبا سانپ ان سے چند قدم کے فاصلہ پر لہراتا چلا جا رہا تھا۔ میمونہ نے خوف سے مٹن کی انگلیوں کو اپنی مٹی میں جکڑ لیا۔ سانپ اطمینان سے لہراتا ہوا دھرم شالا کی دیوار کے برابر کھڑی جھاڑیوں میں گھس کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

''چلو واپس۔'' مٹن نے اعلان کیا۔ اور فوراً تینوں پلٹ لئے۔ تھوڑی دور تک آہستہ آہستہ چلتے رہے۔ پھر ایک دم سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ سب سے آگے بھولو سب سے پیچھے میمونہ۔

انہوں نے رہٹ پہ جا کے دم لیا جہاں اونٹ اپنی سست رفتار کے ساتھ گردش میں تھا اور پانی ایک خاص رفتار کے ساتھ نالی سے ہوتا ہوا کھیتوں میں جا رہا تھا۔ بھوپت ایک کنارے پہ بیٹھا چلم پی رہا تھا۔ چلم پیتے پیتے اس نے تینوں پہ نظر ڈالی جن کے سانس پھولے ہوئے تھے۔

''للا جی 'لوئن میں کہاں پھرت ہو۔''

''باپو سیانپ۔'' بھولو نے اطلاع دی۔ ''دھرم شالا کے دھورے تھا۔ اتنا لمبا۔'' ''کوڑیالا تھا؟''

''نہیے۔''

بھوپت متفکر ہو گیا۔ چلم کا لمبا گھونٹ لیا۔ پھر بولا ''بہت زہری ہے۔ میں تو وا کو مارن لگے تھا۔ پر دھرم شالا کی سانکل کھول کے سادھو مہاراج نکل آئے۔ اور کلکل ڈال دی۔ کہنے لگے کہ مورکھ شیش جی کی سنتان کی دکھ دینے لگا ہے۔ بس موکو کپکپی آ گئی اور لٹھیا اٹھی کی اٹھی رہ گئی۔''

''وہ تینوں دم بخود تھے۔ میمونہ نے قمیص کے دامن سے گردن اور منہ کا پسینہ پونچھا۔ کتنی خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ رات کو جب

KitaabPoint.blogspot.com

پھوپھی اماں کی بغل میں لیٹ کر اس نے دوپہر کی ساری واردات سنائی تب کہیں جا کر اس کا خوف زائل ہوا۔

''اماں' پتہ ہے دوپری کو کیا ہوا۔ دھرم شالا کے پاس جو جھاڑیاں ہیں نہیں' اکھ کی جو جھاڑیاں ہیں..... -''

''دھرم شالا کے پاس؟'' پھوپھی اماں نے اس کی بات کاٹی ''بیٹی وہاں تو کیا کرنے گئی تھی۔''

''میں تو نہیں جا رہی تھی۔ منن پیچھے پڑ گیا کہ دھرم شالا چل کے دیکھیں واں پہ کون رہتا ہے۔''

''جھوٹ۔'' منن نے جو پھوپھی اماں کی دوسری بغل میں لیٹا تھا تردید کی۔ ''اس میمونہ کی بچی ہی نے مجھ سے کہا تھا کہ دھرم شالا کے پیپل پہ لنگور ہے۔ تو میں نے کہا کہ چلو چل کے دیکھ لیتے ہیں۔''

''نا میرے لال ادھر مت جایا کرو۔ اور یہ دوپہریاں تو ویسے بھی سناہٹی ہیں۔ مٹے سادھو جنتر منتر کرتے رہوے ہیں۔ واں پہ بھوت پریت کا ڈیرا ہے۔''

''پھوپھی ماں' میں بھوت سے بالکل نہیں ڈرتا۔''

''ہوں نہیں ڈرتا۔'' میمونہ نے اس کی آواز کی نقل اتارتے ہوئے کہا ''سانپ کو دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ اماں' یہ لمبا یہ موٹا سانپ۔ بالکل ہمارے پاس سے لہرکھا کے نکل گیا۔''

''ہائے اللہ' ارے کم نصیبو تم کہاں مارے مارے پھرتے ہو۔''

''پھوپھی اماں' کیا بتاؤں اس وقت میری غلیل میرے پاس نہیں تھی۔ ایسا غلہ تاک کے مارتا کہ بلبلا جاتا۔''

''لال میرے' ایسی بات بھول کے بھی کبھی مت کریو۔ اس زہری سے اللہ بچاوے۔ مارا جائے تو اس کی ساپن بدلہ لینے کے لئے پھنپھناتی پھریے۔''

''اماں'' میمونہ نے سوال اٹھایا ''ساپن کو کیا پتہ کہ کس نے اس کے سانپ کو مارا ہے۔''

''اے لو اسے پتہ نہ چلے گا۔ سانپ کے مرنے کے بعد وہ دوڑی آوے ہے اور سانپ کی آنکھوں میں جھانکے ہے۔ سانپ مرتے وقت مارنے والے کو ایسے دیکھے ہے کہ اس کی آنکھوں میں مارنے والے کی تصویر اتر آوے ہے۔ بالکل جیسے کسی نے فوٹو کھینچ لیا ہو۔ ساپن بس واں سے مارنے والے کا کھوج لے لیوے ہے اور بدلہ لینے کے لئے چل پڑے ہے۔ اور سانپ بچ جاوے تو وہ موا ایسی گرہ باندھے ہے کہ جبتک بدلہ نہ لے لے اسے کل نہیں آوے۔ اس سے بدلہ نہ لے سکے تو بیٹے سے لے لے گا' بیٹے سے نہ لے سکے تو پوتے سے لے لے گا۔ راجہ پرچھت کے ساتھ یہی تو ہوا تھا۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''راجہ پرتچھت کے ساتھ؟ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا'' منن نے اور میمونہ نے بیک وقت سوال کیا۔

''ارے ہوا یہ کہ راجہ پرتچھت کا دادا بہت سورما تھا۔ ایک دفعہ وہ تیر کمان لے کے سانپوں سے بھرے ایک بن میں گھس گیا۔ سب سانپوں کو ایک ایک کر کے تیروں سے چھید ڈالا۔ پر ایک سانپ کو تیر اچٹتا سا لگا۔ وہ بچ کے نکل گیا۔ بس اس کا بچنا غضب ہو گیا۔ وہ تو اس سورما کی جان کا بیری ہو گیا۔ خیر اس سورما پہ تو اس کا بس نہ چلا۔ اس کا بیٹا بھی بچا رہا۔ جب خیر سے پوتا تخت پہ بیٹھا تو اس زہری نے کہا کہ باپ دادا تو بچ کے نکل گئے۔ پوتے کو نہیں چھوڑوں گا۔ ادھر پرتچھت کو بھی پتہ چل گیا کہ ایک سانپ اس کی جان کا بیری ہوا ہے۔ جھوٹ مت جانیو اس نے اپنے رہنے کے لئے ایسا محل بنوایا کہ اوپر سے پرندہ پر نہیں مار سکے اور نیچے سے کیڑا رینگ کے بھی نہ جا سکے۔ پر یہ زہری بھی بلا کا بنا ہوا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ راجہ کے لئے پھلوں کا ٹوکرا جا رہا ہے۔ وہ جھٹ گنڈار بن کے ایک امرود میں گھس بیٹھا۔ اب ادھر کی سنو۔ سارے پھلوں میں سے وہی ایک امرود راجہ جی کو بھایا۔ امرود کو کاٹ کے کھانے لگا تھا کہ ایک گنڈار بلبلاتی دکھائی دی۔ ہنس کے بولا کہ لو جی یہ ہے وہ کیڑا جو مجھے ڈسے گا۔ بھیا اتنا اس کا کہنا تھا کہ وہ گنڈار ایک ساتھ تڑپ کر یہ لمبا سانپ بن گئی۔ ایک پھنکار ماری اور اسے گردن پہ ڈس لیا۔ پھر لیجیو دوڑیو ہوتی رہی وہ تو سٹک گیا۔ اور ادھر راجہ نے دم کے دم میں دم دیدیا۔''

''منن میاں' تم نے تو دیکھا تھا جی۔ پہلے یاں پہ تھا کیا۔ چار ٹوٹی پھوٹی دیواریں' ایک دروازہ اور پیپل کے پیڑ۔''

''ہوں۔'' میں نے لمبا سانس لیا۔ تصور کا سلسلہ بکھر گیا تھا۔

''اور وہ جو بھوڑ ہوا کرتی تھی وہ بھی غائب ہو گئی۔''

''اور یہ جگہ جہاں میں کھڑا ہوں؟'' میں نے دل ہی دل میں کہا۔ مجھے عجب سا احساس ہوا یہ دیکھ کر کہ وہ جگہ جو کل تک شاد آباد تھی دیکھتے دیکھتے اجاڑ ہو گئی اور اس کے متصل زمین کا وہ ٹکڑا جہاں ایک بھید بھری ویرانی کا ڈیرا تھا کس طرح آباد ہوا ہے کہ ساری بھید بھری فضا غارت ہو گئی۔ ''شکر یہ علاقہ تو برباد ہو گیا چلو چلتے ہیں۔'' اور میں بھاری قدموں سے واپس چلنے گا۔

''منن میاں حویلی جا رہے ہو جی؟''

''ہوں''

''میں بھی چلوں گا۔'' وہ تیزی سے پردہ اٹھا کر اندر گیا اور دم کے دم میں کرتا گلے میں ڈالتا لپک کر آیا اور پیچھے پیچھے ہو لیا۔

واپس پھر اسی راستے پر جہاں آگے یہاں سے وہاں تک ایک طرف درخت تھے اور کھیت اور دوسری طرف سرخ اینٹوں والی

KitaabPoint.blogspot.com

ضخیم لمبی دیوار اور اس میں جا بجا مکلے جن میں جنگلی کبوتروں نے گھونسلے بنا رکھے تھے اور اب دو رویہ دکانیں تھیں' چھتوں والی کم' ڈیرے تنبو والی زیادہ اور ہر قسم کا مال چوڑیاں' چٹیلنے' کنگھیاں' سرمے دانیاں' منہ سے بجانے والے باجے' پھرکنی' چکئی' لٹو' پتنگوں کی بھی دکانیں نظر آ رہی تھیں جن پر ڈھبو قسم کے للرے اور کلرے ٹنگے نظر آ رہے تھے۔ مگر آتے ہوئے یہاں جو استعجاب پیدا ہوا تھا وہ اب نہیں تھا۔ بس سڑک کو تنگ پا کر اور لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر خفقان ہو رہا تھا" یار شنکر ویاس پور میں اتنی خلقت کہاں سے ٹوٹ پڑی۔" اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے نکلا" بہت بدل گیا ہے ویاس پور۔"

پھر جس جس سڑک جس جس بازار سے گزرا اسے دیکھ کر حیران ہوا۔ وہی احساس کہ ویاس پور کتنا بدل گیا ہے۔ زمانہ' میاں زمانہ' مجو بھائی کا بے فکری کے انداز میں کہا ہوا فقرہ مجھے یاد آیا اور مجھے ایک اداسی نے آ لیا۔ زمانہ' میاں زمانہ۔

"لو جی اپنی گلی آ گئی۔"

نظر ڈالی۔ ہاں بالکل وہی گلی ہے' میں نے سوچا۔ مگر' فوراً ہی ایک حیرانی نے مجھے آ لیا' یہ گلی اتنی تنگ کیسے ہو گئی۔ آگے تو خاصی چوڑی ہوا کرتی تھی۔ کتنی کشادہ لگتی تھی۔ اور یہاں تو نئی دکانیں بھی نہیں کھلی ہیں۔ وہی پرانی دکانیں' کوئی دودھ ربڑی کی' کوئی پتنگوں کی' کوئی چوڑیوں کی' اور آخر میں عطار کی۔ عطار والی دکان کا میں نے خاص طور سے جائزہ لیا کہ شاید ٹوئیاں عطار اپنے مٹھی بھر جثے اور کمان کمر کے ساتھ اسی طرح بیٹھا امام دستے میں گھاس پھوس کوٹ رہا ہو' نسخے باندھ رہا ہو۔ مگر اس کی جگہ کوئی اجنبی صورت بیٹھی تھی۔ میرے سارے تجسس پر اوس پڑ گئی۔ بس اس کے بعد ہی پرانی حویلی کا پھاٹک آ گیا۔ میں تو بھونچکا رہ گیا۔ خوشی مگر اس کے ساتھ حیرت کتنی ہوئی۔ یہ پھاٹک پہلے کتنا اونچا اور کتنا چوڑا تھا۔ اور اب کتنا چھوٹا نظر آ رہا تھا۔ اور اب مجھے احساس ہوا کہ ویاس پور کے رستے ہی تنگ نہیں ہوئے ہیں' وہ سب گھر بھی جو پہلے بہت بڑے اور بلند نظر آتے تھے۔ اب چھوٹے اور پست دکھائی دے رہے ہیں جیسے پچک گئے ہوں اور سکڑ گئے ہوں۔ پرانی حویلی بھی پچکی پچکی نظر آ رہی تھی۔ کتنی بلند و بالا ہوا کرتی تھی' اور اسی کے ساتھ کتنے منظر تیزی سے میری آنکھوں میں پھر گئے۔ دادا میاں اپنی چگی سفید ڈاڑھی کے ساتھ ملے دلے سفید کرتے پائجامے میں ملبوس ماتمیوں کے بیچ آ کر بلند آواز سے کہتے یا حسین' ماتم رک جاتا اور پھر وہ فوراً انگشت شہادت بلند کر کے شروع ہو جاتے السلام علیک یا ابا عبداللہ' السلام علیک یا بن العلیٰ' السلام علیکم یا ابن الحسین اصل میں دلکشا میں پرانی حویلی سے سب کچھ منتقل ہو گیا تھا۔ بس عزاخانہ منتقل نہیں ہو سکا تھا۔ علم عجب ہوتے ہیں کہ جہاں ایک دفعہ کھڑے کر دیئے جائیں پھر ان کے گرد اتنی نشوونما ہو جاتی ہے کہ جائیں وہاں وہ دیکھتے دیکھتے جڑ پکڑ لیتے ہیں۔ پھر ان کے گرد اتنی نشوونما ہو جاتی ہے۔ کہ انہیں وہاں سے اٹھانے کا مطلب ہوتا ہے۔ ایک ہرے بھرے پیڑ کو جڑ

KitaabPoint.blogspot.com

سے اکھاڑنا۔ سو دادامیاں نے بیٹے کے سامنے اس حد تک تو سیر ڈال دی تھی کہ تنگ گلی سے نکل کر کسی کشادہ مقام پر کوٹھی تعمیر کی جائے اور وہاں رہائش اختیار کی جائے۔ سو اپنے باغ کے بیچ کوٹھی تعمیر کی۔ مگر ایک بات انہوں نے اپنی منوائی جس کے تحت برس کے برس دس دن کے لئے پورا کنبہ پورے تام جھام کے ساتھ پرانی حویلی میں آ کر ڈیرا کرتا۔ یہ دس دن کہنے کو دس دن تھے۔ اصل میں پورا ایک زمانہ ہوتا تھا۔ کتنا کچھ ہو جاتا تھا اس زمانے میں اور دادامیاں ان دنوں میں کتنے متحرک کتنے سرگرم نظر آتے تھے۔ جائیداد کے معاملات گھر بار کے قصے' شادی بیاہ کے بکھیڑے سب چہیتے بیٹے کے سپرد کر دیئے تھے۔ اپنی سرگرمی بس محرم تک محدود کر لی تھی۔ ان دنوں میں دن رات چک پھیری کی طرح پھرتے تھے ہاں مجلس کے اوقات میں جم کر بیٹھتے تھے۔ منبر کے روبرو' مرثیہ خواں کی ایک ایک ادا پر جھومنا' ایک ایک مصرعہ پر داد دینا' وقفہ وقفہ سے صلوہ پڑھنا اور ایک دم سے گریہ کی آواز بلند کرنا۔ اپنے بلند گریہ کے ساتھ وہ پوری مجلس پر چھائے رہتے تھے۔ بلکہ گریہ کی ابتدا ہی ان کی رقت بھری چیخ سے ہوتی تھی۔ اور حاضرین مجلس مرثیہ خواں سے نہیں اس چیخ سے اشارہ لیتے تھے۔ اور شروع ہو جاتے تھے اور ہاں..... اچانک ایک اور ہی تصویر میری آنکھوں میں پھر گئی۔ پھر میرا گمشدہ وجود من کے صورت میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وجود جو میرے لئے اب صیغہ غائب تھا۔ اچکن پہن کر سلمہ ستارہ ٹنکی ٹوپی سر پر جما کر جھجکتے جھجکتے امامباڑے میں اس کا داخل ہونا اور دادامیاں کے پہلو میں جا بیٹھنا۔ ''دادامیاں ہم بھی پڑھیں گے۔''

''ضرور پڑھو بیٹے۔''

اور جب منبر پر بیٹھتا تو دادامیاں کا کہنا ''بیٹے دلورام کوثری کی رباعی پڑھو۔'' اور اس کا فوراً شروع ہو جانا۔

کیا پہنچا مسیحا جو فلک پر پہنچا
مقصود کو اپنے نہ سکندر پہنچا
اللہ غنی کوثری ایسا چالاک
گنگا سے جو پھسلا لب کوثر پہنچا

اس کے ساتھ ہی امام باڑہ غائب' پھر دادامیاں کی دوسری تصویر' پرانی حویلی کی بیٹھک۔ بندے علی آئے بیٹھے ہیں۔ بیچ میں حقہ رکھا ہے اور اخبار زمیندار' جس کے مطالعہ کے بعد مسلمانوں کے زوال پر ایک افسوس بندے علی کی طرف سے' دوسرا افسوس معہ محاکمہ کے دادامیاں کی طرف سے۔

''سید صاحب' ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ مسلمان تو برگزیدہ قوم ہے۔ اللہ نے شفیع محشر سے اس کی بخشش کا وعدہ کر رکھا

KitaabPoint.blogspot.com

ہے۔ پھر وہ آج کیوں ذلیل وخوار ہے۔"

"بھائی بندے علی' کوئی بھی متنفس ہو' اعمال کی سزا تو اسے ملتی ہے۔ یہ دیکھو کہ مسلمانوں کے اعمال اس وقت کیسے ہیں۔ دور کیوں جاتے ہو' ترکوں ہی کو دیکھ لو۔ کلام اللہ کی زبان پاک سے منحرف ہو کر انہوں نے تو اپنی نمازوں کو بھی برباد کر ڈالا۔ تو جب مسلمان مسلمان نہ رہیں تو ان پر خدا کا قہر تو نازل ہونا ہی ہے۔"

"سچ کہا آپ نے سید صاحب' یہ سب مذہب سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔"

بندے علی نے کتنی جلدی نکتہ کو سمجھ لیا۔

"بھائی بندے علی' ڈاکٹر سر محمد اقبال کا جواب شکوہ پڑھو۔ مسلمانوں کے ادبار کی ساری وجہ آپ کی سمجھ میں آ جائے گی۔"

بندے علی نے حقہ کا گھونٹ بھرا' پھر بولے "سید صاحب' سنا ہے کہ ڈاکٹر سر اقبال نے کوئی نظم لکھی ہے جس میں اہل اندلس کی بربادی کا تذکرہ بڑے پرسوز انداز میں قلمبند کیا ہے۔ میرا بھتیجا یعقوب الحسن علی گڑھ کالج میں پڑھتا ہے۔ وہ پچھلے دنوں آیا تھا تو بتا رہا تھا کہ علی گڑھ میں اس نظم کا بہت چرچا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب نے ایسی شاعری کی ہے کہ مولانا الطاف حسین حالی کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔"

"اچھا؟ بھئی ایسا ہے تو برخوردار سے کہو کہ وہ نظم کہیں دستیاب ہو تو اس کی نقل لے کر آئے۔" ٹھنڈا سانس بھرا۔ پھر کہنے لگے "بھائی بندے علی' اندلس کی تاریخ بھی اپنی جگہ فسانہ عبرت ہے۔ مسلمانوں نے کیا عروج پایا اور پھر کس طرح قعر مذلت میں گرے کہ صفحہ ہستی ہی سے نابود ہو گئے۔ اور وجہ بس ایک' دین سے پھر گئے۔ جب تک دین سے پیوست رہے کیسی ترقی کی کہ پورا یورپ دم بخود تھا۔ اور کیسا کیسا پہنچا ہوا بزرگ پیدا ہوا۔ بھائی بندے علی' آپ نے کبھی سنا کہ کبھی کوئی فاتح' کوئی شہنشاہ کوئی عامل کوہ قاف تک پہنچا۔"

"کوہ قاف۔" بندے علی سوچ میں پڑ گئے۔ پھر بولے "سید صاحب کوہ قاف تو جنوں اور پریوں کا مسکن ہے۔ انسان کا وہاں کہاں گزر۔"

دادا میاں مسکرائے "درست فرمایا آپ نے۔ مگر شیخ موسیٰ ابو عمران الصدرانی نے تو کوہ قاف کی چوٹی پر جا کر نماز پڑھی تھی۔ اور ارواح خبیثہ میں سے کسی کی مجال نہیں ہوئی۔ کہ ان کی نماز میں خلل ڈالے۔"

"اچھا؟" بندے علی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "یہ تو میں پہلی مرتبہ سن رہا ہوں۔ کون بزرگ تھے یہ۔"

KitaabPoint.blogspot.com

''اندلس کے بزرگ۔ اپنے وقت کے قطب ایک روز جی میں عجب سمائی کہ کوہ قاف پر جا کر نماز پڑھی جائے۔ ظہر کا وقت قریب تھا۔ ادھر آپ نے نیت کی اور ادھر آپ کوہ قاف پر۔ ظہر کی نماز قاف کی چوٹی پر ادا کی۔ عصر کی نماز کیقاف کی تلیہٹی میں آ کر پڑھی۔ کسی مرید نے پوچھا' یا شیخ کوہ قاف کی بلندی کتنی ہے۔ فرمایا' تین سو سال کی مسافت جتنی۔''

''سبحان اللہ' سبحان اللہ۔'' بندے علی کتنی دیر تک سبحان اللہ' سبحان اللہ کہتے رہے۔''

''بھائی بندے علی' آپ کو پتہ ہے کہ کوہ قاف کے گرداگرد کیا ہے۔ ایک اژدھا جو کوہ قاف کی نگہبانی کرتا ہے۔ حضرت شیخ ابومدین نے شیخ موسیٰ سے کہا تھا کہ شیخ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو کسی روز کوہ قاف پر جائے گا۔ جب ادھر جائے تو کوہ قاف کے پاسبان کو سلام کرنا مت بھولنا۔ شیخ کو کوہ قاف پر چڑھتے چڑھتے یہ بات یاد آئی۔ فوراً با آواز بلند کہا اے کوہ قاف کے پاسبان' تجھے میرا اسلام پہنچے۔ اژدھے کی طرف سے جواب آیا وعلیکم السلام۔ اور پھر پوچھا ابومدین کا کیا حال ہے۔ شیخ نے کہا' اے زمین کے باسی اور اے کوہ قاف کے پاسبان' تو ابومدین کو کیسے جانتا ہے۔ اژدھا ہنسا اور بولا' اے سادہ لوح' اس زمین پر کوئی ایسا بھی ہے کہ ابومدین کو نہ جانے۔''

دادا میاں چپ ہو گئے اور حقے کی نے منہ میں لے لی۔ حقہ گڑگڑا رہے ہیں اور بندے علی خیالوں میں غلطاں خاموش بیٹھے۔ پھر آہستہ سے ''سبحان اللہ قربان جاؤں اس کی قدرت کے۔''

''بھائی بندے علی' یہ اسرار الٰہی میں سے ہے۔ اب سوچو کہ کتنی بڑی سلطنت تھی اور کیسے کیسے اہل اللہ اس سلطنت میں پیدا ہوئے۔ ابوالحجاج شیخ یوسف کا قصہ تو میں آپ کو سنا ہی چکا ہوں۔ مگر پھر کیا ہوا۔ کمبخت مسلمان دین سے غافل ہو گئے۔ رنگ و نسل کے جھگڑوں میں گھر گئے۔ عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ شعر و شاعری' رقص و سرود' شراب و کباب' رقاصائیں' آتش نفس مغنیائیں' لب و رخسار' زلف و کاکل۔ سلطنت کو تو پھر جانا ہی تھا۔ ساتھ میں خود بھی مٹ گئے۔''

بندے علی تھوڑے تامل کے بعد بولے ''مگر سید صاحب' یہ تو کاتب تقدیر پہلے ہی لکھ چکا تھا۔ میں نے اس میں ایک حدیث پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا آپ نے کہ ایک روز میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ گریہ فرما رہے ہیں۔ میں تا دیر دیکھا کیا' پھر یوں ملتمس ہوا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' میرے ماں باپ آپ پر سے فدا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے اتنی شدت سے گریہ کیا ہے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے۔ حضور نے فرمایا' اے ابن عباس میں نے دیکھا کہ جزیرہ العرب سے دور مغرب کی سمت میں ایک

KitaabPoint.blogspot.com

جزیرہ ہے' جزیرہ الاندلس' اس میں اسلام کا بول بالا ہے۔ پھر اچانک زوال آتا ہے۔ مسلمان وہاں سے نکالے جاتے ہیں اور اسلام اس زمین سے مٹ جاتا ہے۔"

دادا میاں نے بہت کان لگا کر اس حدیث کو سنا۔ پھر کہنے لگے "مگر کتب صحیحہ میں یہ پیشگوئی بھی تو ملتی ہے کہ اسی سرزمین پر ایک مرتبہ پھر اذان کی آواز گونجے گی۔ تین فاتحین تین اطراف سے اس زمین پر یلغار کریں گے اور ایک دن وہ آئے گا کہ وہ تینوں ایک دسترخوان پر کھانا تناول کریں گے۔"

"ایسا کب ہوگا۔"

"جب حضرت امام مہدی ظہور فرمائیں گے۔" اور اس کے ساتھ ہی دادا میاں کا جھکنا اور امام کو جو کہیں پردہ غیب میں ہیں جھک کر سلام کرنا۔

یہ تصویر بھی غائب ہوئی۔ پھر تیسری تصویر' دادا میاں دلکشا میں ہیں جہاں وہ کبھی اس طرح حقہ پیتے بندے علی سے باتیں کرتے نہیں دیکھے گئے۔ بس جیسے اپنی جگہ سے اکھڑ گئے ہوں۔ پلنگ پر لیٹے ہیں نقاہت طاری ہے۔ آنکھیں کھولتے ہیں۔ پھوپھی اماں کی طرف دیکھتے ہیں جو کئی دن سے سرہانے بیٹھی سورۂ یاسین پڑھ رہی ہیں۔ سب آل اولاد جمع ہے۔ دور گئے ہوئے رشتہ دار بھی آن پہنچے ہیں۔ اس زمانے میں موت مرنے والے کو پوری مہلت دیتی تھی کہ جو کہنا ہو کہہ لو' جس کی صورت دیکھنی ہو دیکھ لو۔ دادا میاں نے کہ غشی میں چلے گئے تھے اچانک آنکھ کھولی۔ آہستہ سے کہا "جناب امیر تشریف لائے ہیں۔" ساتھ ہی آنکھیں بند کر لیں' ہمیشہ کے لئے اور پھوپھی اماں نے اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا۔ سب ہی رو رہے تھے.....

"لو جی میں چھوٹے میاں جی کو جا کے بتائی آؤں۔" اور بھولو تیر کے موافق اندر پھاٹک میں گیا۔ اور اسی تیزی سے میں بیتے دنوں کی گزرگاہوں سے واپس آیا اس کے ساتھ ہی ایک حیرانی نے مجھے آلیا۔ لڑکیاں کتابوں سے بھرے بیگ کاندھوں میں ڈالے قطار اندر قطار پھاٹک سے نکل رہی تھیں۔ یاں کوئی سکول کھل گیا ہے؟ بس میں اپنے آپ سے پوچھ کر رہ گیا۔ اور کس سے پوچھتا۔ بھولو اندر جا چکا تھا۔ جس پھرتی سے گیا تھا اسی پھرتی سے واپس آیا۔ "لو جی چھوٹے میاں جی خود ہی آ رہے ہیں۔" اور میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ لمبا قد چھریرا بدن' گوری رنگت' سفید ہلکی داڑھی' بر میں ململ کا کرتا' چھوٹی موری والا پائجامہ' سر پہ رامپوری کالی ٹوپی' بنے بنائے دوسرے میاں جان چھڑی ٹیکتے چلے آ رہے ہیں۔ میں پھر حیران ہوا۔ چھوٹے میاں اتنے بوڑھے ہو گئے' اتنی جلدی میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی کہ اس بیچ کتنے برس گزر گئے ہیں۔ بڑھ کر سلام کیا۔ چھوٹے نے کس محبت سے گلے لگایا۔ اسی محبت

KitaabPoint.blogspot.com

سے بڑی بھابی نے زنان خانے کے دروازے پر استقبال کرتے ہوئے گلے لگایا۔ ''اے بھیا' یہ عید کا چاند کدھر سے نکل آیا۔ ایسے اچانک بھی کوئی آتا ہوگا۔ ارے دو پیسے کا پوسٹ کارڈ ڈال کے خبر تو دے دی ہوتی کہ سٹیشن پہ جا کے ہم تمہیں لے آتے۔ کون لے کے آیا ہے۔''

''شنکر گاڑی لے کے پہنچ گیا تھا۔''

''ہاں ہاں وہی تمہارا رشتہ دار ہے۔ ہم تو غیر ہیں۔ یاں جانے کیسے آ گئے۔ وہیں پہ براجتے۔ سیٹھ مہندر کی کوٹھی ہے۔ نوکر چاکر' بگھی موٹر' واں جو آرام ملتا یاں یہ تھوڑا ہی ملے گا۔''

''نیک بخت' گلے شکوے طعنے مہنے بعد میں ہوتے رہیں گے۔ اسے ذرا دم تو لینے دو۔''

''بہت دم لینے دیا۔ اب تو میں ناک میں دم کر دوں گی۔ پاکستان میں بہت پھولی پھولی کھائی ہیں۔ اب ذرا میاں کے مزاج پوچھوں گی۔ ارے میں پوچھوں ہوں کہ کیا پاکستان میں ڈاک خانے کی اوڑا پڑ گئی ہے۔ ڈوبے پوسٹ کارڈ کی بھی کوئی اوقات ہے۔ چار حرف خیریت کے لکھ کر چھٹے چھماہے بھیج دیا کرتے تو کونسی تمہاری دولت میں کمی آ جاتی۔''

''اپنا سمجھتے تب خط لکھتے۔'' چھوٹے میاں نے ٹکڑا لگایا۔

''بھیا میں یہ پوچھوں ہوں کہ پاکستان کے پانی میں کیا ملا ہوا ہے کہ جو وہاں جاتا ہے اس کا خون سفید ہو جاتا ہے۔''

''بڑی بھابی مجھے بھی تو کچھ پوچھنے دیں۔ میری سمجھ میں تو ابھی یہ بھی نہیں آیا ہے کہ یہ پرانی حویلی پھر سے کیسے آباد ہو گئی۔ اور دلکشا..... ۔''

''بھیا مت پوچھو۔'' بھابھی نے دلخراش لہجہ میں کہا'' کیوں ہمارے زخموں پر نمک چھڑکتے ہو۔ پاکستان جانے والے ہمیں تباہ کر گئے۔''

میں کھسیانا سا ہو گیا۔ بس اتنا کہا'' اب وہاں اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔''

''ارے کسی کی آہ لینی اچھی نہیں ہوتی۔ میں نے پیارے میاں سے کہہ دیا تھا کہ تم ہمیں اجاڑ کے جا رہے ہو۔ اللہ نے چاہا تو تم بھی واں پہ جا کے سکھ نہیں پاؤ گے۔ سو وہی ہوا۔ پچھلے برس آیا تھا۔ کہنے لگا' بڑی بھابی' آپ نے ایسی بددعا دی کہ میں ابھی تک بے ٹھکانہ ہوں۔ میں نے کہا کہ بھیا بددعا میں نے نہیں دی۔ تمہاری زمین نے تمہیں بددعا دی ہے۔ آباد زمین کو اجاڑنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ پیارے میاں' زمین بھی کوستی ہے۔ ارے پاکستان میں آباد ہونے کے شوق میں ہمیں تو نہ اجاڑتے اور خاندان کا کھیل

KitaabPoint.blogspot.com

بکھروا تو نہ کرتے۔"

"مجھے تو کچھ پتہ نہیں تھا۔ میں سیدھا دلکشا کی طرف گیا تھا۔ وہاں تو اب کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تو بھلے سے بھولو مل گیا جو یہاں لے آیا۔ تو گویا اسے پیارے میاں کا کارنامہ سمجھا جائے۔"

"پیارے میاں کی ہاں میں ہاں ملانے والے بھی تو موجود تھے۔ سب سے بڑھ کر تمہارے چھوٹے میاں۔"

"اس بے ایمان نے۔" چھوٹے میاں نے ناخوشگواری کے لہجہ میں کہا "چھوٹے بھائی کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔"

"اجی اچھے میاں کو تم کم مت سمجھو۔ بلکہ پیارے میاں کے دماغ میں یہ بات ڈالنے والا وہی تھا۔ پاکستان جانے کا شوشہ تو اسی نے چھوڑا تھا۔ بس میاں جان کی آنکھ بند ہوتے ہی دونوں کے تیور بدل گئے۔ پہلے پاکستان جانے کا شور ڈالا۔ پھر جائیداد کے بٹوارے کا اشقلہ چھوڑا۔ تمہارے چھوٹے میاں الہ میاں کا جی۔ رضامند ہو گئے۔ تم جانو کہ مسلمانوں کی جائیدادوں کی قیمت اب کیا رہ گئی ہے۔ اونے پونے بیچا' حصہ بٹایا اور پاکستان چلے گئے۔"

"اچھا کیا چلے گئے۔ یہاں رہ کر کرتے بھی کیا۔" چھوٹے میاں نے بظاہر ان کے جانے کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں اچھا ہی کیا۔ جاتے ضرور جاتے۔ مگر ہمیں تو نہ اجاڑتے۔ ارے وہ تو اس حویلی کے بھی کوڑے کرنے کے درپے تھے۔ وہ تو میں جوتی لے کے کھڑی ہو گئی کہ نامرادو' تم تو پاکستان میں جا کے گلچھرے اڑاؤ گے' ہم نگھرے کس چوکھٹ پہ جائیں گے۔ جب انہوں نے زیادہ اکڑ تکڑ کی تو میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ حویلی تو جدی پشتی ہے۔ اکیلی ڈپٹی دل حسن کی اولاد اس کی مالک نہیں ہے۔ کراچی میں منن بیٹھا ہے اس سے پوچھو۔ اورنگ آباد میں جا کے اپنی چھوٹی پھوپھو کو رضامند کرو۔ اور میمونہ بھی تو ہے۔ پھوپھی اماں کی اکیلی نشانی۔ اس سے دستخط کراؤ۔ بس اس پہ ان کے ہوش خطا ہو گئے۔"

وہ داخل ہوئی' بالا قد' چھریرا بدن' گندمی رنگت' ایک لٹ بالکل سفید بر میں سفید ساڑھی۔ میں تو اسے تکتا رہ گیا۔

"اے ہے رک کیوں گئی۔ کوئی غیر تو گھر میں نہیں آ گیا ہے۔ منن ہے۔ پہچانا نہیں تو نے۔" پھر مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ "بھیا تم نے اسے نہیں پہچانا میمونہ ہے۔"

میں اتنا کہہ سکا۔ "اچھا کتنی بڑی ہو گئی ہے۔"

"اور کیا اتنی ہی رہتی۔ اس وقت تھوڑا ہی لگتا تھا کہ اتنا قد نکالے گی۔"

"اس وقت تو چھٹنکی تھی۔" میری بات سن کر بڑی بھابی ہنس دیں۔ میمونہ نے کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

KitaabPoint.blogspot.com

''سکول کو نبٹا آئی؟'' پھر رک کر بولیں۔

''اب ذرا باورچی خانہ دیکھو۔ منن میاں بھی آ گئے ہیں۔ میرا تو اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔''

میمونہ خاموشی سے باورچی خانے کی طرف مڑ گئی۔

''وہ دونوں شروع سے کراچی ہی میں ہیں۔ تمہارا ان سے کوئی رابطہ نہیں ہے؟''

''میں تو آپ سے سن رہا ہوں کہ وہ کراچی میں ہیں۔''

''پاکستان جا کے سنا ہے کہ یہی حال ہوا ہے لوگوں کا۔'' بڑی بھابی پھر شروع ہو گئیں۔ ''یاں سے اکٹھے گئے۔ واں پہ جا کے ایسے تتر بتر ہوئے کہ نہ ایک دوسرے کے مرنے جینے میں شریک نہ دکھ سکھ میں حصہ دار۔ سنیں ہیں کہ شادیں بھی وہاں لوگوں نے غیروں ہی میں کی ہیں۔''

''اپنی ٹھیک سے اکھڑنے کے بعد یہی ہوتا ہے۔'' چھوٹے میاں نے پھر ایک محاکمہ کیا۔

''ویسے وہ وہاں کیا کر رہے ہیں۔ ان کا پتہ معلوم ہو جائے تو پھر ان سے ملنے کی کوشش کی جائے۔''

''پیارے میاں کو تو تم جانو ہی ہو۔'' بڑی بھابی بولیں۔ ''اس خدا کے بندے نے زندگی بھر کیا کیا۔ باپ دادا کی کمائی تھی بے دریغ خرچ کیا۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا۔ وہاں بھی یہی کیا۔ کوئی اجاڑنے والی مل گئی ہو گی۔ اسے نہال کر دیا۔ خود اجڑ گئے۔ وہاں تو باپ دادا کی جائیداد نہیں تھی کہ سہارا دیتی۔ اجڑ کے بیٹھ گئے۔ وہ تو یہ کہو کہ اللہ نے ایک پوت دے دیا سنا ہے کہ وہ انجینئر بن گیا ہے۔ بڑھاپے کا سہارا بس وہی ہے۔ باقی رہے اچھے میاں تو وہ شروع ہی سے سیانے تھے۔ پیسہ الغاروں ہے۔ مگر حالت یہ ہے کہ کیچڑ میں بھی کوڑی دکھائی دے جاوے تو دانتوں سے اٹھالیں۔ بھیا آنکھ سے نہیں دیکھا کانوں سنی کہتی ہوں۔ افسروں کو میاں بہت کھلاتے چٹاتے ہیں۔ اسی زور پہ ٹھیکے ملتے ہیں۔''

''نیک بخت اس اکیلے کو کیوں نکو بناتی ہو۔ پاکستان میں تو دستور ہی یہ ہے۔''

''ارے میں کسی کو کیا نکو بناؤں گی۔ نکو تو آدمی اپنے کوتکوں سے بنتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ اس نگوڑے آسمان تلے بہت سر اٹھا کر نہیں چلنا چاہیے۔ اب سے دو برس ادھر مدار کے مہینے میں اچھے میاں اپنی دلہن کو لے کر آئے تھے۔ اے بھیا وہ تو زمین پہ قدم نہیں رکھے تھی۔ میں نے کہا کہ واری جاؤں خدا تمہیں موتیوں میں سفید اور سونے میں پیلا رکھے۔ میں تمہاری جیٹھانی ہوں۔ جو کہوں گی تمہارے بھلے کو کہوں گی۔ تمہارے دولہا میاں بہت منتوں مرادوں والے ہیں۔ آٹھویں کی شب بی بی کا سقہ بنا کرتے تھے۔ ہماری

KitaabPoint.blogspot.com

ساس نے اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے منت مانی تھی کہ جب اچھا بڑا ہو جاوے گا اور کمانے لگے گا تو آٹھویں کی شب چھوٹے حضرت کی حاضری اسی کی طرف ہوا کرے گی۔ سو ماشے اللہ سے اچھے میاں کمانے لگے ہیں۔ تم برس کے برس منی آرڈر کر دیا کرو۔ رہ گئی سقائی تو وہیں شاہ خراسان میں جا کے آٹھویں کی شب کو سقہ بنا دیا کرو۔ اے بھیا' وہ تو ہتھے سے اکھڑ گئی۔ تنک کے بولی' ہم رہتے تو ہیں پاکستان میں' حاضری یہاں کریں۔ مولا یہاں بھی ہیں وہاں بھی ہیں۔ حاضری وہاں بھی ہو سکتی ہے۔ میں کال کھاتی منہ سے بات نکال کے چور بن گئی۔ پھر میں نے کوئی بات ہی نہیں کی۔''

بھولو نے دروازے پہ دستک دی۔ ''بی بی جی' میں جاؤں؟ منن میاں کو کہیں جانا تو نہیں ہے۔''

''اے ہے' منن میاں کو ذرا دم تو لینے دے۔ اور کمبخت تو کہاں مر گیا تھا۔ آج اتنے دنوں بعد تیری صورت نظر آئی ہے۔ ہاں ہاں تو نے بھی دیکھ لیا کہ اب تو اس ڈیوڑھی پہ خاک اڑے ہے۔ اس کی مٹی لینے میں کوڑی کا فائدہ ہے۔''

''نئیں' بی بی جی' یو بات نئیں ہے۔''

''اور کیا بات ہے۔ بھوپت جیتا ہوتا تو ہمارے ساتھ یہی کرتا۔ مگر تیری آنکھ میں تو سوئر کا بال ہے۔ نئے مالکوں نے سبز باغ دکھا دیا ہوگا۔ اب تو ان کے گن گائے گا۔''

''بی بی جی مالک گنوان ہو سو ہی گن گائے جاویں ہیں۔ اسی اوگن ہارنے تو مورے پیچھے تکتکی لگا رکھی ہے کہ نکلو یاں سے۔ پر میں نے بھی زمین پکڑی ہوئی ہے۔''

''میں نے سنا ہے کہ سیٹھ نے سارے درخت کٹوا دیئے ہیں۔'' چھوٹے میاں نے پوچھا۔

''سرکار' وانے تو سگری تھاں کو اوجڑ کر کے رکھ دیا۔ سیٹھ تو بڑا استیاناسی نکلا۔''

''کیا منصوبہ ہے اس کا۔''

''مل لگاوے گا جی۔''

''سیٹھ سے ہمیں کیا لینا ہے۔'' بڑی بھابی بولیں ''تو کیا کرے ہے۔''

''میں جی تانگہ چلاؤں ہوں۔ بڑی سرکار والا تانگہ مورے ہی سنگ تو ہے جی۔''

''کس شوق سے میاں جان نے اسے خریدا تھا۔ کیا شان تھی اس کی۔ پر اس میں کتنے دن بیٹھنا انہیں نصیب ہوا۔'' بڑی بھابی نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

KitaabPoint.blogspot.com

''اب بھی چم چم کرتا ہے جی۔ بہت سنبھال کے رکھا ہے میں نے۔''

''کل بس آ جانا تانگہ لے کے۔ ذرا عزیزوں رشتہ داروں سے ملنے جائیں گے عزیزوں رشتہ داروں میں اب ہے کون۔ دلہن خالہ ننھی چچی مراد علی تایا اللہ اللہ خیر سلا۔ یہ ہمارے عزیز رہ گئے ہیں۔ کتنا بڑا کنبہ تھا۔ کیسا بکھرا ہے جیسے دانے بکھرتے ہیں۔''

بڑی بھابی نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''اچھا جی سویرے سویرے آ جاؤں گا۔''

بھولو چلا گیا۔

''اب ذرا چل کے باورچی خانے میں دیکھوں۔ بیچاری میمونہ اکیلی لگی ہوئی ہے۔ اس کمبخت گلشن کے جب تک سر پہ کھڑے نہ ہو کام نہیں کرتی اور ہنڈیا کو تو وہ ہاتھ ہی نہیں لگاتی۔''

''میمونہ آپ کے ساتھ رہتی ہے۔'' کتنی دیر سے میرے اندر چرخی چل رہی تھی۔ آخر میں نے جھجکتے جھجکتے پوچھ ہی لیا۔

''اور کس کے ساتھ رہتی اس کے کونسے بھیئے بھتیجے بیٹھے ہیں۔ جو تھے وہ نو دو گیارہ ہو گئے۔'' رکیں۔ پھر بولیں ''تم شاید یہ پوچھنے لگے ہو کہ اس کا بیاہ کیوں نہیں ہوا۔ تو بھیا تم پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالو اور پھر یہ بات پوچھو۔''

''بھئی اس نے سیدھی سی بات پوچھی ہے۔ تم بات کہاں سے کہاں لے گئیں۔'' چھوٹے میاں نے ٹوکا۔

''اجی میں نے سیدھا سا ہی جواب دیا ہے۔ ویسے مجھے پھوپھی اماں رہ رہ کے یاد آوے ہیں۔ انہیں اور کیا دیکھنا تھا۔ بس ایک بیٹی کو دیکھ دیکھ کے جیویں تھیں۔ اس کے بیاہ کا انہیں کتنا ارمان تھا۔ سارے ارمانوں پہ اوس پڑ گئی۔ پہلے کتنی چہکتی تھیں۔ منن کے جانے کے بعد بس انہیں چپ ہی تو لگ گئی۔ اس کے بعد تو پھر ڈھیتی ہی چلی گئیں۔ انہیں دیکھ کے میاں جان الگ کڑھتے تھے۔ اور انہیں تو دہرا غم تھا۔ ارے یہ بھی تو انہیں خیال بہت ستاوے تھا کہ جس بھتیجے کو انہوں نے اولاد سے بڑھ کر چاہا وہ انہیں بڑھاپے میں کس طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ کہا کریں تھے کہ دنیا کیا کہے گی کہ اس شخص پر ایک بھتیجا اتنا بھاری تھا کہ اسے پاکستان دھکیل دیا۔ اور اپنی اولاد کو کیسا سنبھال کر رکھا۔ میں نے کہا کہ میاں جان ایسی بات تھی تو جب اس نے پاکستان جانے کی بات کی تھی۔ تو آپ نے اسے گھڑک دیا ہوتا۔ پھر اس کی مجال تھی کہ گھر سے قدم نکالتا۔ ٹھنڈا سانس بھر کے بولے کیسے گھڑکتا۔ بھائی ہی کی سہی مگر تھی تو پرائی اولاد۔''

''ارے تم کیا پرانا قصہ لے کر بیٹھ گئیں۔'' چھوٹے میاں نے انہیں بیچ میں ٹوکا۔ ''جواد میاں پہ کیا موقوف ہے۔ وہ تو ایک رو تھی

KitaabPoint.blogspot.com

کہ خلقت کو بہائے لئے جارہی تھی۔ اب سوچو تو حیرانی ہوتی ہے کہ جو گئے وہ کیا سوچ کر گئے تھے اور جو رک گئے وہ کیا سوچ کر رک کے رہ گئے۔"

"اے ہے بیچاری بچی" بڑی بھابی کو ایک مرتبہ پھر باورچی خانے کی یاد آئی۔ "اکیلی چولھے پہ جھکی ہوئی ہے۔ تھکی ہاری سکول سے آوے ہے۔ یاں آ کے توے چولھے میں جھک جاوے ہے۔"

"سکول" اب میری سمجھ میں آیا کہ لڑکیاں کیوں قطار در قطار حویلی سے نکل رہی تھیں۔

"ہاں بھیا ہم نے حویلی میں سکول کھول لیا ہے۔" بڑی بھابی نے وضاحت کی۔ "ایک پنتھ دو کاج' ایک تو یہ کہ یہ ران جہان حویلی ہمارے قبضہ میں اب کہاں رہ پاتی۔ حکومت کمبخت ماری بھلا ہمارے پاس چھوڑتی۔ سکول کے کھلنے سے خدا تمہارا بھلا کرے حویلی بھی بچ گئی۔ اور میمونہ کے لئے ایک شغل بھی نکل آیا۔ اب نہ وہ اپنے آپ پہ بھاری ہے نہ ہم پہ بھاری ہے۔ اور منن میاں کیا بتاؤں' کتنے سلیقہ سے سکول چلا رہی ہے۔ بس۔"

"بڑی بھابی کھانا لگ گیا ہے۔" میمونہ نے آ کر اعلان کیا اور فوراً ہی واپس چلی گئی۔ بڑی بھابی کا بیان ادھورا ہی رہ گیا۔ سب کھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب میں اپنے سامان میں آ چکا تھا۔ لگ رہا تھا کہ میرے سارے بکھرے اجزا مجھ سے آن جڑے ہیں معہ منن کے۔ اور اب میں اکٹھا ہوں اور سالم۔ اس احساس نے مجھے جیسے طمانیت سے بھر دیا ہو۔ بس ایک رات کے اندر اندر یہ کایا کلپ ہوئی تھی۔ پتہ نہیں سوتے میں اندر کونسا عمل چلا تھا یا کسی نے کیا پڑھ کر پھونک دیا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو میں اکٹھا اور شاداب۔ آنکھ کس وقت کھلی' یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا۔ کتنی دیر تک یہ سمجھتا رہا کہ کہیں دور سے جو یہ کوئل کی آواز آ رہی ہے۔ یہ خواب ہے۔ آنکھیں موندے بے ملے جھلے اسی ایک کروٹ پڑا رہا جیسے ذرا کروٹ لی تو کوئل کی آواز گم ہو جائے گی۔ اور خواب تتر بتر ہو جائے گا۔ دور کے کسی درخت کی پھننگ پہ بیٹھی کوئل کو جیسے پتہ چل گیا ہو۔ ایک دم سے چپ ہو گئی۔ تب میں نے آنکھ کھولی اور تب پتہ چلا کہ میں جاگ رہا تھا۔ لیٹے لیٹے اوپر دیکھا۔ سکون اور سرور سے بھرا آسمان مجھ پر چھایا ہوا تھا۔ کتنے زمانے بعد میں کھلے آسمان تلے سویا تھا۔ لیٹے لیٹے جتنے آسمان کو اپنی نظروں میں سمیٹ سکتا تھا اتنا سمیٹا۔ آسمان کتنا تازہ نظر آ رہا تھا اور کتنا مانوس۔ ویاس پور کا آسمان جسے میں نے زمانے بعد دیکھا تھا۔

احاطے کے کونے میں کھڑے گھنے نیم پیڑ کے بیچ ایک شور برپا تھا۔ اٹھا اور اٹھ کے نیم کے قریب گیا۔ شور اچانک تھم گیا۔ پھر ایک دم سے غول کا غول چڑیوں کا ٹہنیوں کے بیچ سے بھرا کھا کر نکلا اور دم کے دم میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میرے اندر سرور کی

KitaabPoint.blogspot.com

ایک دھار بہہ نکلی۔

واپس آ کر سرکنڈوں والے مونڈھے پہ آ بیٹھا۔ سامنے میز پر تھرماس کے برابر رکھی سگریٹ کی ڈبیا اٹھا کر ایک سگریٹ نکالی۔ ہونٹوں میں لگا کر سلگا رہا تھا کہ سامنے کوٹھے کی چھت پر نظر گئی جہاں منڈیر پہ ایک بندر چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ کتنی دیر تک میں بندر کو تکا کیا بندر بھی جیسے منڈیر کے ساتھ چپک کر ساکت ہو گیا ہو۔

ایک کالا کلوٹا لڑکا' بر میں ایک میلا جیکٹ بنیان اور پھٹا پرانا نیکر' ہاتھ میں لمبا سا ڈنڈا' مستعدی سے سیڑھیاں چڑھتا نظر آیا۔

''اے لڑکے' ادھر آ ؤ۔''

لڑکا اس تحکمانہ آواز سے مرعوب سا ہو گیا۔ قریب آیا۔ چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

''یہ ڈنڈا لے کے کہاں جا رہے ہو؟''

''بندر کو مارن لگا ہوں۔''

''واپس جاؤ' بندر کو کچھ نہیں کہنا ہے۔''

لڑکا اس ہدایت پر کتنا حیران ہوا۔ بھلا بندر کو مارنے سے بھی کوئی منع کر سکتا ہے' سوائے اس کے کوئی ہندو ہو۔ واپس برآمدے کی طرف ہو لیا۔ پھر پکارا ''بی بی جی' وے بندر کو مارن نئیں دیتے۔''

''کون مارن نہیں دیتے۔'' میمونہ کی آواز باورچی خانے کی طرف سے آئی۔ ''وے جو پاکستان سے آئے ہیں۔''

اتنے میں وہ باہر برآمدے میں نکل آئی تھی۔ دور سے باہر کا جائزہ لیا۔ پھر برآمدے سے نکل کر لان میں آئی۔ رسان سے پوچھا۔ ''آپ کو یہ بندر بہت عزیز ہے؟''

''مجھے عزیز ہو یا نہ ہو مگر تمہارا اس نے کیا بگاڑا ہے۔ کوٹھے پہ بیٹھا ہے' تمہارا کیا لیتا ہے۔''

''اچھا آپ اس بندر کو بہت بھولا سمجھ رہے ہیں پتہ ہے کل اس نے کیا کیا۔'' کوٹھے پہ بیٹھے بندر پہ ایک نظر ڈالی۔ ''یہی کمبخت تھا۔ میرا دوپٹہ باہر پڑا رہ گیا تھا۔ میرے فرشتوں کو خبر نہیں کہ کس وقت لے بھاگا۔ وہ تو دینا نے مجھے بتایا۔ میں نے کتنا للچایا' ڈرایا دھمکایا مگر ذرا جوئیں سے مس ہوا ہو۔ جب تک سارے دوپٹے کی چندی چندی نہیں کر دی اسے چھوڑا نہیں۔''

''آج اس کے لئے کیا نذرانہ رکھا گیا ہے۔''

میمونہ کو کوئی جواب بن نہ پڑا۔ چپ ہوئی۔ پھر بولی۔ ''اچھا آپ نہائیں دھوئیں' میں ناشتہ لگانے لگی ہوں۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''اتنی سویرے؟''

''مجھے سکول بھی جانا ہے۔''

''ہاں' جلدی کریں۔''

میں کس سعادت مندی سے اٹھا اور باتھ روم کی طرف ہولیا۔ دل میں تھوڑا تھوڑا خوش کہ میمونہ دھیرے دھیرے کھلتی جا رہی ہے۔ نہا دھو کر ناشتے کی میز پر آ کر بیٹھا تو کتنا خوش تھا۔ جیسے برس برس کا جما ہوا میل اتر گیا ہو۔ کتنا ہلکا ہلکا اپنے آپ کو محسوس کر رہا تھا۔

''ارے دلبر حسن کا پوت آیا ہے۔ کہاں ہے۔'' ننھی تائی اپنی دہری کمر اور سفید چونڈے کے ساتھ دروازے ہی سے ہانکتی پکارتی داخل ہوئیں۔

''ننھی تائی آ گئیں۔'' بڑی بھابی نے مجھے خبردار کیا اور اٹھ کر آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ ''ننھی تائی' آپ نے کیوں زحمت کی۔ منن تو خود سلام کرنے آپ کی طرف آ رہا تھا۔ ناشتے میں ذرا دیر ہو گئی۔ اور وہ کمبخت بھولو بھی تانگہ لے کے ابھی تک نہیں آیا ہے۔''

''اری میں نے سنا تو دل تڑپ گیا۔ ارے کدھر ہے۔'' میں ڈائننگ روم سے نکل کر برآمدے میں آیا جہاں ننھی تائی تخت پہ اپنی نشست سنبھال چکی تھیں۔ جھک کر سلام کیا۔ ننھی تائی نے بیٹھے بیٹھے سر پہ ہاتھ پھیرا' بلائیں لیں' دعائیں دیں۔ ''جیتے رہو' خوش رہو۔'' پھر تفصیل سے سر سے پیر تک کا جائزہ لیا اور بولیں ''پوت میرے' یہ تم نے اپنا حال کیا بنا رکھا ہے۔ سر میں تو کھچڑی پک رہی ہے۔ کیسے کالے کالے اور گھنے بال ہوا کریں تھے۔''

''ننھی تائی' آپ کس زمانے کی بات کر رہی ہیں۔ اس وقت عمر کیا تھی۔ اب کیا ہے۔''

''اے ہے کونسی زیادہ عمر ہو گئی۔ کل کی تو بات ہے جب اللہ رکھو تم بی اے میں پاس ہوئے تھے اور تمہارے تایا نے اس خوشی میں کنبہ میں لڈو بانٹے تھے۔''

''اری دلہن' اری تیرا کونسا دیور آیا ہے۔''

آواز پہلے آئی۔ دلہن خالہ بعد میں نظر آئیں۔ بڑی بھابی نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ میرے قریب لا کھڑا کیا۔ ''منن آیا ہے۔''

''منن؟'' دلہن خالہ چکرائیں۔

KitaabPoint.blogspot.com

''اے دلہن خالہ' آپ کو کیا ہو گیا۔ دلبر چاچا کا بیٹا منن۔''

''اچھا اچھا دلبر کا پوت منن۔ اری کیا بتاؤں' میں تو بس اب ستری بتری ہو گئی ہوں۔ سمجھ پہ پتھر پڑ گئے ہیں۔ ارے میں نے تو اس کا گوموت کیا ہے۔ اے مرے لال' کیسے ہو۔''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''اور اللہ کا سب سے بڑا شکر تو یہ ہے کہ تمہارا ہم گرے پڑوں کو دیکھنے کو جی چاہا۔ برسوں بعد صورت دکھائی ہے۔ مگر شکر ہے کہ صورت دیکھنے دکھانے کا خیال تو آیا۔''

''ہاں بی بی یہ بھی شکر کی بات ہے۔'' ننھی تائی بولیں۔ ''ایک بخت مارا میرا پوتا ہے۔ جب جانے لگا تو میں نے کہا کہ لال جیسے پیٹھ دکھا رہے ہو ویسے صورت بھی دکھائیو۔ جلدی آئیو۔ بولا' دادی بہت جلدی آؤں گا۔ اور فوج کے ساتھ آؤں گا۔ لو وہ آج تک آ رہا ہے۔''

''اے ہوا۔'' دلہن خالہ کہنے لگیں ''تمہارے پوتے پہ کیا موقوف ہے۔ سب جانے والوں نے یہی کیا۔ میں نے تو اپنی بہو کو لکھ دیا تھا کہ بہو تم پاکستان میں دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ ہم صرف تمہاری صورت کے بھوکے ہیں۔ جو لال تم میں ٹنکے ہوئے ہیں انہیں نہیں توڑیں گے۔ مگر ذرا جو پسیجی ہو۔ خیر جب اپنی کوکھ کا نکلا پتھر دل ہو گیا تو اس کی کیا شکایت۔ وہ تو پرائی کوکھ کی ہے۔''

انوری بھی سوگھتی سوگھتی آ پہنچی۔ ''بڑی بھابی' سنا ہے کہ منن آیا ہے۔ تمہیں مبارک ہو۔''

''آ بیٹھ۔ تجھے بھی مبارک ہو۔''

''ارے بھیا اچھے تو ہو۔'' رک کر ''اکیلے آئے ہو۔''

''جی۔''

''اچھا۔'' معنی خیز انداز میں کہا اور چپ ہو گئی۔

انوری نے کہاں کہاں کے قصے سنا ڈالے۔ ننھی تائی اور دلہن خالہ دونوں کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ کتنی بے خبر ہیں کہ برادری کنبہ میں ہونے والی کسی بات کا انہیں پتہ ہی نہیں ہے۔

''سلیمن چچی کا پوت بھی آیا ہوا ہے۔''

''اچھا۔'' وہ تو پاکستان چلا گیا تھا۔''

KitaabPoint.blogspot.com

''ارے کوئی آنا چاہے تو پاکستان کسی کو روکتا تھوڑا ہی ہے۔ آٹھ سال پہلے گیا تھا۔ وہاں ماشے اللہ اچھا کما رہا ہے۔ ماں نے لکھا کہ بیٹا ہم نے تمہاری منگنی کر دی ہے۔ اب آ کے شادی کر لو۔ ادھر ماں نے لکھا اور ادھر وہ چھٹی لے کے آ گیا۔''

''یہ اس کی سعادت مندی ہے۔'' ننھی تائی بولیں۔

''ننھی تائی۔'' انوری کہنے لگی۔ ''اس کی سعادت مندی کی تو یہ سن لو کہ آٹھ سال پاکستان میں رہا۔ اور کراچی جیسے نگر میں جہاں کی لڑکیاں ایک حرافہ ہووے ہیں۔ مگر اس بندہ خدا نے مجال ہے کہ کسی کو آنکھ بھر کے دیکھا ہو۔''

جب سب رخصت ہو گئے تو بڑی بھابی نے انوری کی ایک ایک بات کو یاد کیا اور غصے میں سوسو سنائیں۔ ''کیسی چندرا چندرا کے باتیں کر رہی تھی۔ بات کہیں کی اشارہ منن کی طرف۔ وہ بات گئی گزری ہوئی۔ اسے جتانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں بس ضبط کر گئی' نہیں تو ایسی خبر لیتی کہ یاد کرتی۔ اور میں تو کہوں ہوں کہ شرع میں کیا شرم۔ نکاح کے بول پڑھے گئے تھے۔ پھر تمہیں کیا اعتراض ہے ''۔

''شبراتی آیا ہے جی۔'' دینا نے باہر سے آ کر اطلاع دی۔

''کیا کہوے ہے'' بڑی بھابی نے اپنا سلسلہ کلام موقوف کر دیا تھا۔

''پاکستان والے میاں جی کو سلام کرنے آیا ہے۔''

''سلام کرنے والے تو چین نہیں لینے دیتے۔ بھیا تم تو کل سو گئے تھے۔ اس کے بعد جو سلام کرنے والوں کا تانتا بندھا ہے کچھ نہ پوچھو کہ تمہارے چھوٹے میاں کا کیا حال ہوا۔ گلی کے سارے ہی دکاندار' باری باری کر کے آئے۔ بلکہ پچھلی گلی والوں کو بھی جیسے جیسے پتہ چلتا گیا آتے گئے۔ تمہارے چھوٹے میاں نے سب کو یہ کہہ کے رخصت کیا کہ لمبے سفر سے آئے ہیں' تھکے ہوئے ہیں' آرام کر رہے ہیں۔ اب یہ مٹا شبراتی آ ٹپکا۔''

''اچھا بھئی آتا ہوں۔'' میں نے دینا کو مطلع کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

تہمد باندھے ہوئے' بر میں ململ کا بنیان' گلے میں تعویذ' ہاتھ میں کوزہ جس پر کاغذ ڈھکا تھا' یہ تھا شبراتی' مجھے دیکھ کر کھل اٹھا۔ ''سلام جی' منن میاں۔''

''منن میاں نے مجھے پہچانا نہیں۔'' اب شبراتی چھوٹے میاں سے مخاطب تھا جو مونڈھے پہ بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ دوباری میں مونڈھے پر بیٹھ کر حقہ پینا اور آتے جاتوں سے مخاطب ہو کر باتیں کرنا ان کا دل پسند مشغلہ تھا۔ حقہ کی نے سے منہ اٹھا کر بولے ''بھئی